

چاند سناہند

شب بخیر



کہ اس گھر کو سنبھال سکے؟ وہ کہیں اس گھر کو سنبھال رہی ہے! اسنا پیسہ بھیت پر ہے تو کیا میں اس کے لئے اسنا بھی نہ کروں؟ میں سالانہ وہاں آ رہی ہوں۔ اچھے نے عرفی کو دانش دیا تو وہ چپ ہو گیا۔ شاید اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ دانش مشغول آپاں کے لئے بہت محنت کر رہی ہیں۔

”عرفی بھئی آپ مٹھائی لے آئیں تو اچھا ہے۔ اگر آج بھی آپ آئیں آئیں تو ہم کھا لیں گے۔ گلاب جان تو مجھے بھی بہت پسند ہیں۔ سب سے چھوٹی سعادہ نے کہا۔

”چھپ رہو تم۔ اور جا کر اپنا موسم ورک کرو۔“ سلمیٰ نے اسے اندر بھجوا دیا۔ مشغول آپاں کے بعد وہی تو اس گھر کی بڑی بیٹی تھی جسے میں بچا ہوا پر رعب ڈال کر تھی۔

”اچھی سنا ہے جو کوئی باہر سے آئے ہو وہ بہت سی چیزیں لے کر آتا ہے؟“ بھنڈے کے دل میں نئی نئی چیزوں کا شوق جاگ اٹھا تھا۔ ”ہاں بڑا دوسرے کا عابد بھائی ایک سال لگا کر ہی آئے تھے تو بڑا بڑا لے آیا تھا گھر بھر دیا تھا۔“ سلمیٰ کا بھی شوق بھر کا۔

”میں نے تو آپاں کو لکھا تھا وہ میرے لئے کیمرا منرو لے کر آئیں گی۔“ عرفی کو بچہ فرمائش یاد آئی۔

”اور میں نے بھی تو بتائیں کہنے والی گڑیا کا لکھوایا تھا آپاں! سعادہ پھر کمرے سے نکل آئی۔

”اچھی آپاں کے لئے سناڑیاں منرو لائیں گی۔“ سلمیٰ نے عرفی کے شوق کو بھی جوا دی تو اچھی کے منوں پر بھی مسکرا مٹ بکھر گئی۔

”میں نے تو آپاں کو سب کچھ لکھا اور میک آپ کے سامان بھی لکھا تھا۔“ بھنڈہ بولی۔

”میں نے ان سے کوئی فرمائش نہیں کی۔ جو وہ اپنی خوشی سے لے کر میں نے لولہ کی سلمیٰ نے نہایت سعادت مندی سے کہا۔

”سلمیٰ بیٹی! تم نے میری ذیل چر کے بارے میں بھی لکھا تھا۔“

شفو آج تین سال بعد پاکستان واپس آ رہی تھیں۔ پورے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ ان کی آمد کے تصور سے ہی سب نے اپنی اپنی امیدیں وابستہ کر لی تھیں۔ وہ کسی بھی دین سے تعلق نہیں۔ انہوں نے اپنی آمد کے اطلاع چند دن پہلے ہی ملنے کی تھی۔ وقت اور دن نہیں لکھا تھا شاید وہ اچانک آئیں خوشی دینا چاہتی تھیں۔ اچھی جان گھر میں ہر وقت چھوٹا بھائی کو مصفا کی کا حکم دیتی رہتی تھیں۔ عرفی کو طرح طرح کی چیزیں منگوانے کو بھیجتی تھیں۔ آج بھی کا کمرہ خود صاف کر کے آئی تھیں اور انہیں آتے جاتے صاف ستھرے کپڑے پہنے۔ بے شک تاکیدی کرتی تھیں اور پھر سب گھر کے افراد مل کر ان کا استقبال کرتے تھے۔

”ارے سلمیٰ! رات کو مشر ملاؤ کیا لینا مشغول کو بہت پسند ہے۔ پتہ نہیں پر دیں میں کب تک لگا لگتا ہو گا۔“ اچھی جان بہت بے صبری سے ان کا انتظار کر رہی تھیں۔

”اچھی آپ روز ہی آپاں کی پسند کو کوئی نہ کوئی چیز بکواتی ہیں اور دوسرے مصالحہ سلی جاتی ہے۔“ سلمیٰ نے اسے دوسرے رنگ آکر کمرہ ہی دیا۔

”اور کیا اچھی آپاں کو کب تک لگیں۔ روز انتظار کرتے ہیں۔“ بھنڈہ نے بھی ان کے انتظار سے اکتا کر کہا۔

”اے سیٹ نہیں مل رہی ہو گی۔ بس اسی بیٹے میں آجائے گی۔“ تبیں چار دیوڑ کے میں اس بیٹے کے ختم ہونے میں۔ اچھی جان کا اشتیاق بڑھ گیا تھا۔

”میں تو آج اپنے دوستوں کے ساتھ جا رہا ہوں۔ آج آپ کے ساتھ میٹر کر انتظار رہیں گے سنا۔“ عرفی نے بھی جواب دیا۔

”ارے مجھے گلاب جان لا کر دے جا کیا پتہ آج شفو آجائے۔“ ان کی ہنسیوں امید سے بھر گئیں اور دروازے کو کھینچ لیں۔

”اچھی آپ روز ہی کوئی نہ کوئی مٹھائی منگوا کر رکھتی ہیں۔ کیا فائدہ ہوتا ہے۔“ اچھی پیسہ کی صفائی ہوتا ہے۔“ عرفی بولا۔

”کیونکہ اس نہ کرو عرفی۔ پیسہ بھی تو اس کا ہے۔ تم ابھی اس قابل ہو

شکوہ: ”ابا بھی اپنے کمرے سے جیسا کھی کی کھٹ کھٹ کے ساتھ باہر آئے۔
”کچھ دیا سنا آتا؟“

”اب ان بیسیا کھیوں میں بھی دم نہیں رہا میری طرح بھی کمرہ اور پورھی ہو گئی ہیں!“ وہ ایک کونے میں بیسیا کھیال دکھ کر محنت پر آجیے تو اتنی ایک آہ بھر کر آجیے گئیں۔

بے چاری تین سال سے سب کے لیے بیسی رہی ہے: ”وہ اندر چلی گئیں تو سب ہی اپنے اپنے کاموں کے لیے بھٹک گئے۔“

سب ہی ہرگز رہنے والے دن کے ساتھ اپنی اپنی امیدوں کو بھی سلا دیتے تھے اور پھر نئے دن کے ساتھ ان کے سارے ارمان جاگ اٹھتے تھے۔ آج بھی وہ اسی قسم کی باتیں کر رہے تھے۔ ”تمی جان کچھ بے چین ہو گئی ہیں۔ رات بھر انہیں عجیب طرح سے نیند بھی نہ آ سکی۔“

سب کی فرمائشیں ان کے کانوں میں اتر رہی تھیں۔ خوشی اور امیدوں سے جھلگاتے چہرے ان کی نگاہوں کے سامنے ناچتے رہے تھے۔

تو نے اپنے بہن بھائی کی خوشیوں کے لیے بہت بڑی قربانی دی ہے شفو! ان کی آنکھوں کے خواہوں کا سحر رکھنے کے لیے تو نے اپنی زندگی حرام کر لی ہے شفو۔ چتر نہیں تو نے اپنے لیے کچھ بنایا ہوگا یا نہیں یہ یہ خیال آتے ہی ان کی پورھی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ ان کے ایک ایک آنسو میں گورے سوئے وقت کی دھندلاہٹ موجود تھی۔

عزت کے مارے ہوئے اس گھر میں ایک عزت کے سوا کچھ صاحب کے پاس کچھ نہ تھا۔ ان کی زندگی بھر کی کمائی یہی ایک تین کروڑ کا



مکان تھا۔ مکان تو بنایا تھا مگر ابھی اس کا قرض باقی تھا۔ لوگری بھی خاص نہ تھی کہ ابھی خاصی تنخواہ گھر میں آتی۔ اور اب تو انہیں ریٹائرمنٹ بھی ملنے والا تھا۔ گھر میں ان کے علاوہ پانچ بچے اور ایک بھوی تھی۔ اتنے بڑے گھرانے کے واحد کفیل وہ تھے۔ شغور سے بڑی بھتیجی بھانجیوں نے بی بی کے گرد دیا تھا۔ شغور اور سلمیٰ کی عمر میں دس سال کا فرق تھا۔ سب شغور نے بی بی کے لیے کیا سلمیٰ بہت چھوٹی تھی۔ ابھی تو اور تین چھوٹے بچے تھے جو غرق فتنوں کے بعد اس دنیا میں آ گئے تھے۔ گھر کے اخراجات اور ہنگامی کام مقابلہ آنا تھا انہیں کر سکتے تھے۔ اس نے شغور نے اپنی ذمہ داری محسوس کر لی۔ آبا سے اجازت لینا ایک مشکل کام تھا مگر گھر کے حالات دیکھتے ہوئے انہیں اجازت دینا ہی پڑی۔

”بی بی! تم اس گھر کی بڑی بہن ہو میرے بعد تم ہی ہو جس نے تو مجھ پر اتنا کہ بہنیں جلد از جلد رخصت کرنے کی کوشش کروں گا مگر مجھے معاف کر دینا۔ بی بی میں ابھی یہ فرض او انہیں کر سکتا تم تو اس گھر میں امانت ہو۔ دعا کرو کہ وہی خدا مجھ میں اتنی طاقت دے کہ اس امانت کی ابھی طرح حفاظت کر سکوں۔“ آبا جی کا ہاتھ شغور آبا کے سر پر کانپ گیا اور آواز آنسوؤں کا اور جھینہ سہا رسلی۔

”آبا جی! میں اس گھر کا ستون ہوں۔ میں ہی اگر اس جھت کے سارے سے جدا ہو گئی تو دیواریں کہیں گر نہ جائیں۔ آپ نے اس گھر کو بڑی محنت سے بنایا ہے۔ میں آپ کی محنت داریگاں نہ ہونے دوں گی“ شغور آبا نے ان کے سارے آنسو کمیٹ لئے۔

”میں ابھی خدائی حفاظت میں دیتا ہوں بی بی! وہ منہ چمپاکر اندر چلے گئے۔ دوسرے دن وہ ایک مقامی اسکول میں پڑھانے جانے لگی تھی۔ آبا جی کی ریٹائرمنٹ کے دن قریب تھے۔ ان کی پیش آنی نہ سمجھی کہ گھر کے اخراجات پورے ہو سکتے۔ ان کی تنخواہ میں مشکل سے گزر رہا ہو رہی تھی۔ اب تو اتنے نفوس کا ساتھ تھا جس کی راسخوں کے لئے اب شغور آبا کو بھی جینا تھا۔

جس دن آبا جی ریٹائرمنٹ کا دینر ساتھ لے کر گھر آئے گھر میں جیسے صاف ماسم کی چھٹی تھی اور دودھ کے سفلیسی سر جھانکنے لگی تھی۔ بے بسی چہروں سے جھلک ہی تھی۔ انکھیں میدول سے خالی تھیں ان خواب اور گھر کو سونے والی آنکھوں میں آنسو آنے کو تھے کہ شغور آبا نے اپنا دامن پھیل دیا۔

”میں بہت سے آنسو بہا کرتے دوں گی میں اپنا دامن پھیل دوں گی میں ہتھارے آنکھوں کے خوابوں کو مٹھانے نہیں دوں گی۔“ شغور آبا نے سنے، بچہ اور عرفی کو اپنے ساتھ لٹایا تھا۔

”بی بی! مجھے معاف کر دینا۔ آبا جی بہت شرمندہ تھے۔ آبا جی آپ کسی قسم کی فکر نہ کریں۔۔۔ ابھی میں زندہ ہوں۔ ان کی

تسلیاں ہی سب کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔

اتنی جان بھی اس کے ساتھ محنت کر رہی تھیں۔ محلہ بھر کے لوگوں کے کہنے سہنی تھیں۔ شغور اسکول سے آنے کے بعد بچوں کو نوٹش بھی پڑھاتی تھیں۔ آبا جی کوئی نہ کوئی کام کرتے رہتے تھے۔ یوں زندگی کی گاڑی پھر چل نکلی تھی۔ خدائے ان کا رزق بند نہیں کر تھا۔ بلکہ اور دروازے کھول دیئے تھے۔ شغور نے ان میں سے کسی کے خواب مٹھانے نہیں دیئے تھے۔ عرفی کو بڑا آدمی بنانے کا خواب اس کی آنکھوں میں چل رہا تھا۔ اسی نے وہ زیادہ محنت کر رہی تھی۔ خدائے اس کی محنتوں کا صلہ بھی لے رہا تھا۔ عرفی ذہین تھا۔ ہر کلاس میں اول آتا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوتی تھی۔ مگر لگتا تھا کہ ابھی اس کے استقامت اور باقی ہیں۔ آزمائشیں ختم نہیں ہوئی تھیں۔ ایک اور کاری ضرب لگی تھی۔

اس دن آبا اپنی پیش کی رقم لے کر اپنے محلہ راستے میں حادثہ کا شکار ہو گئے۔ اور اس حادثے نے ان سب کی زندگی ی تو ہلا کر رکھ دی تھی۔ آبا جی کی دونوں ناٹکیں اس حادثے میں ضائع ہو گئی تھیں۔ آپریشن کے لئے بہت بڑی رقم کی ضرورت تھی۔ گھر میں ایک دم پھر مایوسی چھا گئی تھی۔ اس نے کئی مشکل سے اس گھر کو آندھیلوں کی نذر ہونے سے بچایا تھا۔

آبا جی کی دونوں ناٹکیں بڑی طرح مٹا دی گئی تھیں آپریشن کے ذریعے ناٹکیں کاٹ دینا ضروری تھیں۔ دوسری صورت میں ان کی زندگی کو خطرہ تھا۔

آبا جی اس گھر کی جھت تھے اور شغور کیسے اس جھت کو گننے فریتی۔

اتنی نے اس کے لئے ایک سونے کا سیٹ محفوظ کر رکھا تھا۔ زندگی کے تلخ حالات کی نذر گھر نہ کچھ زیور ہوتا رہا تھا۔ لیکن انھوں نے ایک سیٹ کو کسی نہ کسی طرح رکھ لیا تھا کہ شغور کے کام آئے گا لیکن وہ اب شغور کی امانت نہ رہا تھا۔

اتنی آبا کی زندگی زیادہ ضروری ہے۔ آپ وہ سیٹ بیچ دیں۔ ”بی بی! ہمارے پاس کو تیرے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔ بی بی ہی ہے ایک امانت۔“ اتنی جان رو پڑیں۔

”اتنی! ساری زندگی بھی آبا جی کو لگ جائے۔ آپ کیوں فکر کرتی ہیں۔ اب مجھے سلمیٰ اور بچہ کے لئے سوچنا ہے۔ آپ وہ سیٹ بیچ دیں۔“ خدائے سلمیٰ اور بچہ کی محنت کی ابھی کرے۔ انہیں اور سلمیٰ جانیں گے۔ اس گھر کو بچانے کے لئے سائبان کے لئے ایک بار پھر شغور کو خوشیوں کی قربانی دینا پڑی اور اس کی آخری امانت بھی ختم ہو گئی۔ آبا جی کو نہیں بتایا تھا لیکن وہ سمجھ گئے تھے۔

”بیٹی مجھے بچانے کے لئے تم تک پہنچو خوشیاں بھرتی رہو گی!“
 ”ابا جی! آپ کی زندگی ہماری خوشیوں سے زیادہ قیمتی ہے
 آپ نے ساری عمر میں پالا پوسا ہے۔ کیا ہم اتنا سا بھی نہیں کر سکتے۔
 مجھے شرمندہ نہ کریں۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ سلٹی اور بچہ اپنے گھر کی جو
 جائیں اور عرفی اپنے بیروں پر کھڑا ہو جائے۔ اگر میری قربانیوں سے سب
 کو خوشیاں مل جائیں گی تو میں آسانی سے مر سکوں گی۔“ اس کی اتنی بڑی بات
 کے سامنے ابا جی خاموش ہو گئے تھے اور یوں بھی اب وہ بے بس تھے۔
 اتنی جان نے بہت زور لگایا کہ وہ خاموش کرے مگر اس کی نا
 ”ہاں“ میں نہ تبدیل ہوئی۔ وہ سلٹی کے لئے کوشش کر رہی تھی۔ اب
 تو اس کی اپنی عمر خواہوں کی دلیلیز سے گزر رہی تھی۔ زمانے گزر چکے تھے
 اب آنکھیں صرف ایک ہی مینا اوڑھ کر سوتا کرتی تھیں۔ اب تو اس
 کی آنکھوں کے سامنے مرجھائے ہوئے خوابوں کی لاکھین کوئی شکاری
 نہ سلگ رہی تھی اس لئے اس نے مکمل طور پر اپنا خیال چھوڑ کر سلٹی
 کے لئے سوچنا شروع کر دیا تھا۔

سلٹی کے لئے ایک دور ختم آئے مگر اس گھر کی مفلسی دیکھ کر
 واپس لوٹ گئے، شفوق کے لئے یہ صدمہ ناقابل برداشت ثابت ہوا تھا۔
 ”امی یہاں رہ کر تو کچھ بھی ہاتھ نہ لگے گا۔ آج کل تو لوہا کیل
 بھی باہر کے ملکوں میں جا کر ملازمت کر رہی ہیں۔ آپ مجھے اجازت
 دے دیں۔ پھر دیکھیں گے گھر کی حالت۔“ شفوق نے بہت امید کے
 ساتھ کہا۔

”مگر تم باہر جاؤ گی کیسے۔ اتنی رقم ہے تمہارے پاس؟ امی
 بھی گھر کے حالات سے شکست کھا گئی تھیں اس لئے شفوق کو منع بھی
 نہ کر سکتی تھیں۔“

”میری ایک سہیلی ہے۔ اس کے والد اثرورسوخ والے آدمی
 ہیں۔ انھوں نے ہی مجھ سے بات کی ہے۔ سعودیہ میں کئی پاکستانی
 اسکول ہیں وہاں کے لئے بچروں کی ضرورت ہے۔ وہ مجھے وہاں
 بھجوا دیں گے۔“

”تم اپنے ابا سے پوچھ لو! امی تو پتھر ہو چکی تھیں، شفوق نے
 ابا جی سے پوچھا تو وہ انکار نہ کر سکے اتنے بے بس تھے کہ اب ان کے
 اختیار میں اتھارے کوئی فیصلہ بھی نہ رکھا تھا۔ انھوں نے خاموشی سے
 سر ہٹا لیا۔“

اس کی پہلی نگرمت کے والد نے اس کا سارا کام کروا دیا تھا۔
 کچھ رقم اس نے جمع کر رکھی تھی۔ کچھ اسکول کی نوکری چھوڑنے سے مل
 گئی۔ اور اتنی جان نے اپنی دو آخری چوڑیاں بھی بیچ دیں۔ یوں وہ
 اپنی سب کشتیاں جلا کر واپسی کے سارے رستے مسدود کر کے
 اپنی نئی منزل کی طرف چلی گئی۔ جہاں محنت تھی مگر محنت کا بھاری

اور سعدیہ ان کے دائیں بائیں چکی جارہی تھیں عرفی ان کا سامان
اندلایا تھا۔ بڑے بڑے اشیاء کیس تھے اور کئی کارٹن۔

”آجی! آجی! کو بیٹا کھی کے ہمارے آتے دیکھ کر ان کے
دل پر چوٹ لگی۔ وہ تیزی سے پکین اور انہیں تھام لیا۔

”میں نے آپ کے لئے ذریعہ تیار کر دیا ہے۔ چند دنوں
میں پہنچنے والی ہے۔“

”بیٹی! تم آرام کرو پھر باتیں کرنا۔ امی نے فوراً کہا اپنی ممتا
اس کے لئے بچاؤ کر دی۔

”امی آپ سب کے چہرے دیکھ کر ہی میری تھکان دور ہو
گئی ہے۔ میں تو آپ لوگوں سے ڈھیر ساری باتیں کرنا چاہتی ہوں

آپ لوگوں کو سب کچھ دکھانا چاہتی ہوں!“ اس نے ایک لہجی
کیس اپنی طرف گھسیٹا۔

”بیٹی پہلے اپنا گھر تو دیکھ لو جس پر تم نے اتنی محنت کی جو
ابا جی بولے تو اسے احساس ہو کہ ان لوگوں کے چہرے تپتے ہیں کہ

گھر کی حالت کتنی اچھی ہے سبھی کی خوشی کے لئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔
گھر کی حالت واقعی بدلی ہی تھی۔ دیواروں پر رنگ و روغن تھا۔

خوبصورت سیئرئیل اور تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ ڈرائنگ روم
میں چند پرانی کرسیاں غائب تھیں اور دریاں، نیا صوفہ سیٹ اور

ایک چھوٹا سا قالین بچھا ہوا تھا خوبصورت پردے لٹک رہے
تھے۔ ڈرائنگ روم میں سب ہی چیزوں سے لگ رہا تھا کہ ان کی مالی

حالت اچھی ہو گئی ہے۔ دوسرے دونوں کمروں میں بھی نئے بیڈ لگے
تھے۔ معنیہ، نجمہ اور سلمیٰ کے کمرے میں ڈرائنگ ٹیبل اور لمبا ری

بھی نئی تھیں۔

”میں تمہارے لئے بہت سادہ آپ کا سامان لائی ہوئی
نجمہ!“ اس نے ڈرائنگ ٹیبل پر چکر پٹکس اور بلب لٹکے پکڑ کر کہا۔

”ہاں آپا یہ سارا سامان میں اس پر سجادوں کی“ نجمہ خوش
ہو کر بولی۔

”میرے گھر کا جائزہ لے کر وہ بھر آ گئی۔ آنگن میں بہت سے
گیلے رکھے تھے جن میں ہمارا آئی ہوئی تھی۔

”تم لوگوں نے گھر کی حالت تو بہت اچھی کر لی ہے۔“

”یہ سب آپ کی محنتوں کا نتیجہ ہے آپا۔ بس آپ باہر نہیں
جائیں گی!“

”ہیں عرفی اب میں یہاں نہیں رہ سکتی۔ مجھے تو جانا ہے۔“
وہ بولی۔

”ارے ابھی آئی ہو اور ابھی جانے کا نام لے رہی ہو۔“
امی نے شکوہ کیا۔

معاوضہ بھی تو ملتا تھا۔ اس کی قیمت اچھی تھی کہ جلتے ہی اسے
وڑ کر مل گئی۔ پاکستان سے تین گنا زیادہ تنخواہ تھی۔ اس نے پہلی

تنخواہ میں سے تھوڑی سی رقم بچا کر باقی سب امانی کے نام بھیج دی۔
اور یوں تین سال سے وہ ابھی خاصی رقم بچ رہی تھی۔ گھر

کے حالات اس کے غلط طے تر چلتے رہتے تھے۔ سلمیٰ کا رشتہ پہلے
اس لئے ٹوٹ جاتا تھا کہ گھر میں غربت تھی اب گھر کے حالات

بہتر ہوئے تو اس کا مطلب بھی جلد ہو گا۔ اب غریب شادی ہی ہونے
والی تھی۔ نجمہ کا بھی رشتہ طے ہو چکا تھا جب وہ کسی بھی تو عرفی

انجمنہ رنگ کے پہلے سال میں تھا۔ اب وہ آخری سال میں تھا۔
اس کی سادگی محنت وصول ہو گئی تھی۔ سب اپنے اپنے ٹھکانے پر

پہنچ گئے تھے۔

”سب کو منزل پر لا کر تم خود ٹھیک رہی جو شوق۔ اب آؤ گی
تو میں جانے نہ دوں گی!“ آنکھوں آنکھوں میں رات کا شکر

شوق آیا کو یاد کر کے امانی بہت دکھی ہو گئی تھیں۔
دوسری صبح بھی وہ بہت ادا اس تھیں۔ اس گھر کے لئے رشکو

کی قربانیاں یاد کر کے وہ بہت بے چین ہو گئی تھیں۔
شام تک انھوں نے بڑی مطلق سے وقت گزارا تھا عجیب

طرح کی ایک بے قراری ان کے وجود میں اتر رہی تھی۔

اور پھر اس بے قراری کا جواب بھی انہیں مل گیا۔

صبح سے دوکان پر جس دستک کا وہ انتظار کر رہی تھیں
آخر کسی نے وہ دستک دے دی والی۔ اتفاق سے سب ہی گھر پہنچے

”ایسے عرفی دیکھو تو کون آیا ہے کہیں رشکو نہ ہو۔ آج صبح سے
میرا دل بہت بے چین ہے۔“ امی نے عرفی کو آواز لگا کر تو عرفی ڈوڑکر

دروازہ کھولتے بھاگا۔

اور دروازہ کھولتے ہی ان سب کے ارمان جاگ اٹھے۔

”ارے رشکو آیا!“ وہ ایک تیز آواز کے ساتھ ان سے پٹ گیا۔
”امی! رشکو آیا آئی ہیں!“ وہ وہیں سے چلایا۔

”ارے رشکو آیا!“ سب ہی بکے۔

”رشکو بیٹی!“ امی بھی تیزی سے بھاگیں۔

”ارے میری رشکو بیٹی! کتنی سے کوئی مجھے بھی تو لیکر جائے۔“
ابا جی بیٹا کھینچ کر کنبھانے ڈنگا ڈنگا سے باہر آ گئے۔

سب کے چہرے میں رشکو آیا اندھا ٹپکس۔ ان تین سالوں میں
وہ بہت کمزوری لگ رہی تھیں۔ مگر کھنے کی خوشی میں وہ خاصی تازہ

لگ رہی تھیں۔ سب کے چہروں پر برقی خوشیاں دیکھ کر انہیں گفتا
الطیان ہوا تھا۔ امی تو انہیں پیشا کر بلا میں لے رہی تھیں سلمیٰ، نجمہ

امتی فکر نہ کریں۔ سلمیٰ کی شادی میں شرکت کر کے جاؤ گی گی۔
 اس نے اطمینان دلایا۔
 "آپ میرے لئے یکسر لائی ہیں نا؟" عرفی اپنے مطلب کی بات پر کیا گیا۔
 "ہاں ہاں کیوں نہیں؟" اس نے اپنا بیک کھولا پھر آہستہ آہستہ سب چیزیں کھول کر دکھائیں۔
 "ابا جی یہ آپ کے لئے جیفن اور سوٹ کا کپڑا ہے۔ اب جلدی سے سلائیجے گا۔" امی آپ کے لئے ساڑھیال ہیں۔ اس رنگ میں بخیر سلمیٰ اور سعدی کے لئے پڑے ہیں۔ بے شمار چیزیں ہیں سلمیٰ کے کمرال داسے کیا یاد کریں گے۔ ساڑیاں پر کاجیز ہے اس نے خوش ہو کر بتایا۔
 "آپ آپ رنگین فی وی بھی لائی ہیں نا؟" عرفی نے پاس پڑے کارڈن کو گھورا۔
 "ہاں رنگین فی وی اور واشنگ مشین تو میں ساتھ لے آئی ہوں۔ ٹیپ رویا کارڈ بھی ساتھ ہی ہے۔ باقی خرچہ اوون اور آپ کی وکیل چیزیں میں نے مجب کروالی ہے۔ بس وہ بھی چند وقت میں تک پہنچ جائیں گے۔"
 "ڈروٹی تو بہت مگی ہوگی؟" ابا جی نے فکر مند ہو کر کہا۔
 "میں ساری ڈروٹی ادا کر کے آئی ہوں۔ یہ چیزیں بار بار سٹوری آتی ہیں۔"

ابا جی سے نہ رہا کیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھنے لگے۔ ٹراٹھنے کی کوشش میں ٹرگے عرفی نے جلدی سے انھیں منبھالا۔ آج انہیں احساس ہوا تھا کہ وہ معذور ہو گئے ہیں۔
 "کون ہے اس کا باب؟" امی جان کی شفقتوں میں ڈروٹی آواز ایک دم سختی میں بدل گئی۔
 "اندر آ جائیں عامر!" اس نے زور سے آواز دی تو ایک بچہ عمر کا شخص اندر آ گیا۔ شفوآپا اس سے لاکھ درجہ بہتر تھیں۔ سب ہی کو بہت افسوس ہوا۔
 "آؤ اب امی جان!" عامر صاحب امی کے آگے جھکے تو امی کا ہاتھ عامر کے سر پر رکھ گیا۔
 "مر شفوآ" وہ رو رہی تھیں۔
 "امی مجھے معاف کر دیجئے گا میں نے وہاں شادی کر لی ہے اب لوگوں کو ہلکے بغیر مگر میں مجبور تھی۔ پر ڈس میں عورت تنہا نہیں رہ سکتی۔ اس لئے مجھے یہ سہارا ملا میں کرنا پڑا۔"
 شفوآپا نے سنی کا اشتہار لگ رہی تھیں۔ ابا جی کچھ نہ بولے انہیں یوں لگ رہا تھا جیسے اپنی ٹانگوں کے ساتھ ساتھ وہ زبان سے بھی معذور ہو گئے ہیں۔ اور
 امی جان یہ سوچ کر خاموش تھیں کہ پر ڈس میں پیسے کے ساتھ ساتھ بر بھی مل جاتے ہیں۔



"واکھی بیٹی تم نے بہت بہت کیا ہے؟"
 "بیٹی تم نے پہلے کیوں نہ کھد دیا کہ آج آ رہی ہو۔ کبلی رپورٹ پر اتنے سامان کے ساتھ پریشان ہوئی پھر میں عرفی نہیں لینے چلا جاتا۔ امی! اگر میں پہلے بتاتی تو اتنی خوشی نہ ہوتی۔ آج اچانک آئی ہوں تو آپ سب کو خوش دیکھ کر مجھے سارے جہان کی نعمت مل گئی ہے۔"
 "ہاں بیٹا خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ بہتر ہے کہ امی چیزیں لائی ہو۔ اپنے لئے بھی کچھ لائی ہو یا نہیں؟" امی نے پوچھا۔
 "اپنے لئے؟" وہ چوٹی
 "ہاں بیٹی اپنے لئے کیا لائی ہو؟" آبا نے بھی اصرار کیا۔
 "اپنے لئے جو میں لائی ہوں وہ شاید دینا سے خریدی نہیں ملے۔ وہ انڈیا کر باجھائی اور سٹوری ہی ورنہ واپس لوٹی تو اس کی کوئی ہیں ایک خوبصورت صحت مند بچہ تھا۔"
 "اپنے لئے میں یہ لائی ہوں؟" اس نے اس خوبصورت بچے کو امی کی طرف اچھالا۔

"شفوآ آج برسوں بعد ابا جی کی آواز میں گرج آئی تھی۔
 "بیٹی یہ کون ہے۔ کس کا بچہ ہے؟" امی کے ہاتھ کانپنے لگے۔
 "یہ میرا بچہ ہے امی!" شفوآپا نے بغیر کسی جھجک کے کہا تو